

علم الجرح والتعديل کا مفہوم، مشروعیت اور اس کی اہمیت

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری*

The acceptance and non acceptance of hadith depend on علم الجرح والتعديل without this standard/knowledge the quality of hadith cannot be measured realising the importance of this knowledge the scholars of Islam devoted their lives for it. In this article we have highlighted the cruse of علم الجرح والتعديل and its importance.

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ، آپ کے اقوال و افعال، محاورات و معمولات، خصائص و خصائل اور اسوہ حسنہ کو علمائے اسلام کی رفیع المرتبت ہستیوں نے جس جانفشانی اور تقدس سے محفوظ و مدون کیا رہتی دنیا تک اس کی نظیر نہیں ملتی، اور یہ وہ دور تھا جبکہ تصنیف و تالیف کا آغاز ہی ہوا تھا۔ انہوں نے رواۃ احادیث و آثار کے حالات زندگی کو قلمبند کیا۔ یہ شرف حدیث نبوی کی عظمت کی بنا پر حاصل ہوا، محدثین کرام نے اس کام میں اپنی عمریں صرف کیں اور رحلات کے ذریعے ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات معلوم کیے انہی تحقیقات کے ذریعہ سے علم اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔

اس علم کی عظمت کا اعتراف مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سیرنگر نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ”کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے۔ جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۱) علم اسماء الرجال میں سے علم جرح و تعديل نے الگ ایک علم کی حیثیت اختیار کی جس پر حدیث نبوی کی قبولیت اور عدم قبولیت کا انحصار ہے کیونکہ حدیث کے دو حصے سند اور متن ہوتے ہیں۔ سند راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو الفاظ سے قبل ہوتا ہے۔ اسی پر حدیث کا مدار ہوتا ہے اگر اس حصے کی معرفت نہ ہو تو حدیث کی صحت جانچی نہیں جاسکتی ہے۔ اسی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن مدینی (۲۳۴ھ) فرماتے ہیں۔

”التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف

العلم“ (۲)

* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

حدیث کے مفہوم کو سمجھنا نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے۔
علم جرح و تعديل کا تعلق نہ صرف حدیث سے ہے بلکہ سیرت مطہرہ سے بھی اس کا گہرہ واسطہ ہے۔ اس لیے کہ سیرت کا بہت بڑا حصہ کتب احادیث میں محفوظ ہے جس سے استفادہ کے لیے علم جرح و تعديل سے کما حقہ واقفیت از حد ضروری ہے کیونکہ سیرت کا صحیح اور مستند بیان اس کے بغیر ممکن نہیں دوسرا یہ کہ کتب سیرت میں موجود روایات سیرت کی بھی جانچ پرکھ کے لیے علم جرح و تعديل ہی واحد ذریعہ ہے جس کی بدولت سیرت طیبہ پر نئے اسلوب اور تحقیق کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں کام آگے بڑھا ہے۔
محدثین کی جدوجہد اور ان کی محنت کے نتیجہ سے اصول و جرح وضع ہوئے بعد ازاں دیگر علوم و فنون میں بھی انہی اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

لغوی مفہوم:

لفظ جَرَحٌ، جَرَحٌ، يَجْرَحُ کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے ”أثر داء في الجلد المجروح“
زخمی جلد پر بیماری کا نشان۔ (۳)

لغت میں جرح کے درج ذیل معانی آتے ہیں۔

1- زخمی کرنا، مثلاً شاعر کہتا ہے:

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان (۴)
(نیزوں کے زخم تو بھر جاتے ہیں مگر زبان کے زخم نہیں بھرتے)
حدیث شریف میں ہے:

((العجماء جرحها جبار)) (۵) (حیوانوں کا زخم رانیکاں ہے)

اسی لئے زخموں کا علاج کرنے والے، ان کو چیرنے پھاڑنے والے کو جراح (Surgeon) کہتے ہیں۔

2- عیب لگانا، مرتبہ گھانا۔ کہا جاتا ہے۔ ”جرح الشهادة“ (۶) (اس نے گواہی پر عیب لگا دیا یعنی باطل کر دی)۔ ابن منظور رقمطراز ہیں:

ويقال جرح الحاكم الشاهد إذا عثر منه على ما تسقط به عدالته من

كذب وغيره (۷)

کہا جاتا ہے کہ حاکم نے گواہ پر جرح کی جب حاکم کو اس (گواہ) کے بارے میں کسی امر کی اطلاع ملی ہو جس سے اس کی عدالت ساقط ہو جائے مثلاً جھوٹ وغیرہ

3- کمانا اور تکاب کرنا، کہا جاتا ہے ”ماله جارحة أى ماله كاسب“ (۸) (اس کا کمانے والا

کوئی نہیں ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وہو الذی یتوفا کم باللیل ویعلم ما جر حتم بالنہار﴾ (۹)

(وہی ذات ہے جو تمہیں رات کو فوت کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم دن کو مکتاتے ہو۔)

مؤخر الذکر معنی کے علاوہ لفظ 'جرح' کے پہلے دو معانی عرفی اور اصطلاحی مفہوم کے قریب تر ہیں، یعنی کسی شخص کے عیب اور اس کے نقائص بیان کرنے کو جرح کہتے ہیں۔ اصطلاح محدثین میں جرح سے مراد "ہو ظہور و صف فی الراوی یشلم عدالۃہ أو یخل حفظہ و ضبطہ" (۱۰) راوی کے ایسے وصف ظاہر ہونا ہے جس سے اس کی عدالت میں نقص پیدا ہو یا جس سے اس کے حافظہ اور یادداشت میں خرابی پیدا ہو۔

جبکہ لفظ 'تعديل' عدل سے مشتق (Derived) ہے جو کہ ظلم کی ضد ہے اور درج ذیل معانی کا مفہوم دیتا ہے۔

1- سیدھا کرنا، برابری کرنا: کہا جاتا ہے: "عدل السهم" (۱) اس نے تیر کو سیدھا کیا۔ نیز "عدل بین الشیئین" (۱۲)

(اس نے دو چیزوں کے درمیان برابری کی)

2- معتبر یا عادل قرار دینا: کہا جاتا ہے "عدل الشاہد" (۱۳) اس نے گواہ کو معتبر جانا)

3- انصاف کرنا: کہا جاتا ہے: "عدل الحاکم فی الحکم" (۱۴) حاکم نے حکم میں انصاف کیا۔)

گویا عدل سے مراد کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا ہے، اور تعديل کا معنی ہوگا۔ کسی کو معتبر یا عادل قرار دینا۔ کیونکہ عدالت کا معنی ہے:

"التزام العدل، والعدل هو القيام بالفرائض واجتناب المحارم والضبط

لما روی وأخبر به فقط" (۱۵)

عدالت، عدل کو ضروری قرار دینا ہے اور عدل سے مراد فرائض کا قیام اور حرام اشیاء سے اجتناب کرنا ہے۔ اور جو بات روایت کرے اور اس کی خبر دے اسے اچھی طرح یاد رکھنا ہے۔

اصطلاحی مفہوم

☆ امام حاکم اور خطیب بغدادی نے اس علم کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

”علم جرح وتعديل وہ علم ہے، جو خاص الفاظ کے ذریعے راویوں کی عدالت وثقاہت یا ان کے عیب وضعف سے بحث کرتا ہے“۔ (۱۶)

☆ نواب صدیق حسن قنوجی رقمطراز ہیں:

”علم جرح وتعديل وہ علم ہے، جس میں راویوں کی جرح اور ان کی تعديل پر مخصوص الفاظ سے

بحث کی جائے اور الفاظ کے اس فرق کی بنیاد پر ان کے مراتب وضع کئے جائیں۔“ (۱۷)

☆ بعض محدثین کے نزدیک رواۃ (حدیث) کو ایسی صفت سے متصف کرنے کو جرح کہا جاتا ہے

جس سے ان کی روایت کمزور یا مردود ہو جائے۔ ایسی صفات سے متصف کرنے کو تعديل کہتے

ہیں جن سے ان کی روایت قابل قبول ہو۔ (۱۸)

☆ بعض کے نزدیک

”هو علم يبحث فيه عن جرح الرواة وتعديلهم بألفاظ مخصوصة و

عن مراتب تلك الألفاظ“ (۱۹)

علم جرح وتعديل ایسے علم کو کہا جاتا ہے جس میں روایان حدیث پر بحیثیت قبول ورد،

مخصوص الفاظ کے ذریعے گفتگو کی جائے اور ان الفاظ کے مراتب پر بحث کی جائے۔

علم الجرح والتعديل کی شرعی حیثیت

تعديل معتبر یا عادل قرار دینا ہے ظاہر ہے کہ تحقیق کے بعد کسی راوی کو عادل قرار دینا ایک قسم

کی راوی کی مدح و ثنا ہے جس کے جواز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے البتہ جرح کسی کے عیوب کو ظاہر کرنا

جس کی بدولت اس کی روایت یا گواہی کو رد کر دیا جاتا ہے۔ جرح بظاہر ایک غیبت اور برائی ہے جسے

شریعت عام انسانوں کے لیے سختی سے ناپسند کرتی ہے چہ جائیکہ اہل علم کی زبان سے ہو اور وہ بھی اہل علم

کے متعلق ہو مگر چونکہ اس کا مقصد دین و احکام کی حفاظت کرنا ہے اس لیے اس کا اظہار کرنا ناگزیر ہے اس

کو غیبت میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

شریعت مطہرہ میں اس علم کے جواز ہونے پر بے شمار دلائل ہیں۔ درج ذیل سطور میں ازروئے

قرآن، سنت نبوی اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں ان دلائل کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

نقد رجال: قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم نے واقعات اور اخبار کی صحت کے بنیادی اصول دیے ہیں۔
پہلا اصول: کوئی واقعہ، خبر یا قول اس وقت تک صحیح قرار نہیں جب تک اس کے بارے میں مکمل تحقیق و تفتیش اور تثبیت نہ ہو۔

یہ اصول درج ذیل آیات کریمہ سے ملتا ہے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ

فَتُصِيبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَدَمِينَ﴾ (۲۰)

(اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔) علامہ شوکانی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”والمراء من التبيين التعرف ومن التثبت الاناء وعدم العجلة والتبصر

في الأمر الواقع والخبر الوارد حتى يظهر“ (۲۱)

(تبین سے مراد پہچان لینا، کھوج لگانا اور تثبت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جلد بازی سے گریز کیا جائے۔ خبر اور امر واقع میں بصیرت سے کام لینا، یہاں تک کہ حقیقت تک رسائی ہو جائے۔)

امام قرطبی اس آیت کریمہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”في هذه الآية دليل على قبول خبر الواحد إذا كان عدلا لأنه إنما أمر

فيها بالتثبت عند نقل خبر الفاسق“ (۲۲)

اس آیت میں خبر واحد کی خبر کو قبول کرنے کی دلالت ہے جبکہ وہ عادل ہو کیونکہ فاسق کی خبر کے نقل کرنے میں توثیق کرنے کا حکم ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”ومن هنا امتنع طوائف من العلماء من قبول رواية مجهول الحال

لإحتمال فسقه في نفس الأمر وقبلها الآخرون لأننا أمرنا بالتثبت عند

خبر الفاسق وهذا ليس بمحقق الفسق لأنه مجهول الحال“ (۲۳)

(اس آیت سے دلیل لیتے ہوئے بعض علماء نے مجهول الحال (جس کا حال معلوم نہ

ہو) کی روایت قبول کرنے کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ یہ شخص حقیقت میں فاسق ہو جبکہ کچھ علماء نے ایسے شخص سے روایت لی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس کا فاسق ہونا واضح نہیں۔)

علاوہ ازیں اس آیت کریمہ کا شان نزول (۲۴) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جب تک پوری طرح تحقیق و تفتیش سے اصل حقیقت کی نقاب کشائی نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کی خبر پر اعتماد نہ کیا جائے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ
إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا﴾ (۲۵)

(اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرو اور جو شخص تمہیں سلام کہے اس کو یہ نہ کہو تم مؤمن نہیں۔)

علامہ قرطبی اس آیت کریمہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”والتبيين الثبوت في القتل واجب حضراً و سفراً ولا خلاف فيه وإنما خص
السفر بالذكر لأن الحادثة التي فيها نزلت الآية وقعت في السفر“ (۲۶)

حضر اور سفر میں قتل کے بارے میں تحقیق کرنا واجب ہے، اس بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہاں تحقیق کر لینے کا حکم سفر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن سفر کی قید بیان واقعہ کے لئے ہے۔

یعنی یہ واقعہ جس کے متعلق آیت نازل ہوئی وہ سفر میں پیش آیا۔ ورنہ جس طرح تحقیق کا حکم سفر میں ہے۔ اسی طرح حضر میں بھی ضروری ہے۔

☆ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذًا عَوَابَهُ وَلَوْ رَدُّهُ إِلَىٰ الرُّسُولِ
وَالْيَأُولَىٰ الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ (۲۷)

(اور جب انہیں امن یا خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اسے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اولی الامر کے سپرد کر دیتے تو ان میں تحقیق کی صلاحیت رکھنے والے اس کی تہہ تک پہنچ جاتے۔)

حافظ ابن کثیر اس آیت کریمہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”انكار على من يسادر إلى الأمور قبل تحققها في خبر بها ويفشيها

وينشرها وقد لا يكون لها صحة“ (۲۸)

(اللہ تعالیٰ نے تحقیق کر لینے سے قبل جلدی سے کسی کام کی اطلاع دینے اور اسے

آگے پھیلانے کو ناپسند فرمایا ہے اور کبھی کبھار وہ خبر درست نہیں ہوتی۔)

معلوم ہوا تحقیق کر لینے سے قبل کسی کام کی اطلاع دینا اور اسے آگے پھیلانے کو اللہ تعالیٰ نے نا

پسند کیا ہے۔

☆ واقعہ افک (۲۹) کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُوا بِالْأَفْكَ

.....﴾ (۳۰) سے اگلی آیت کریمہ ﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ أَنْفُسَهُمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا

إِفْكٌ مِّبِينٌ﴾ (۳۱) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مؤمن

مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا)۔ اور اسی مضمون سے متعلقہ آیت کریمہ ﴿إِذْ

تَلْقَوْنَهُ بِالسُّنْتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هِينًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ

عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بَهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ (۳۲)

(جب تم لوگ اس بہتان کو ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے اور اپنی زبان پر ایسی بات لاتے تھے جس کا

تمہیں کوئی علم نہیں تھا اور تم لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی

اور جب تم لوگوں نے یہ جھوٹی خبر سنی تو کیوں نہیں کہا ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں اسے

ہمارے رب تو تمام عیوب سے پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔)

واقعہ افک کے ضمن میں نازل ہونے والی آیات کریمہ میں مسلمانوں کو اخلاقی تربیت دی گئی

ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں بغیر کسی تحقیق و تثبت کے برا گمان نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر

کوئی بد طینت شخص ان میں سے کسی کے خلاف افتراء پردازی کرتا ہے۔ تو اس کی تصدیق نہیں کرنی

چاہئے۔ اور یہ کہ کسی بھی خبر کو بغیر تحقیق کیے مان لینا یا اسے دوسروں تک پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں قرآن حکیم نے واقعات اور اخبار کی صحت کا ایک اصول دیا ہے۔

اور وہ اصول یہ ہے کہ قبول اخبار و واقعات میں احتیاط، تحقیق و تفتیش سے کام لیا جائے اور کسی بات، خبر،

واقعہ کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک وہ تحقیق کی کسوٹی پر پورا نہ اترتا ہو۔

دوسرا اصول: واقعات اور اخبار کی صحت کا دوسرا قرآنی اصول شرط عدالت سے متصف ہونا ہے۔ یعنی جو

شخص عادل (۳۳) ہوگا، اس کا قول یا نقل کردہ خبر یا واقعہ مسلم ہوگا۔ قرآن کریم میں جہاں گواہی (Witness) کا ذکر ہوا ہے وہاں عادل ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (۳۴)

(پس جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت کی انتہاء کو پہنچنے لگیں تو تم معروف طریقے سے انہیں روک لو یا انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ جدا کر دو اور تم اپنے لوگوں سے دو عادل کو گواہ بنا لو۔)

ایک دوسری آیت کریمہ میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ.....﴾ (۳۵)

(اے ایمان والو! اگر تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجائے تو وصیت کرتے وقت آپس میں گواہی کیلئے مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ بنا لو۔)

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عادل شخص کی گواہی قابل قبول ہے جبکہ غیر عادل کی گواہی مردود ہے۔

انہی آیات کریمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام مسلمؒ فرماتے ہیں:

”أن الواجب على كل أحد عرف التمييز بين صحيح الروايات و سقيمها وثقات الناقلين لها من المتهمين أن لا يروى منها إلا ما عرف صحة مخارجه والاستارة في ناقله و أن يتقى منها ما كان منها عن أهل التهم والمعاندين من أهل البدع“ (۳۶)

(وہ شخص جو صحیح اور ضعیف روایات اور (حدیث کے) ثقہ اور متہم رواۃ کے مابین امتیاز کر سکتا ہے اس پر یہ واجب ہے کہ صرف وہ احادیث روایت کرے جس کا مخرج صحیح ہو اور اس کے ناقلین رواۃ جرح وغیرہ سے محفوظ ہوں اور ان احادیث کو نقل کرنے سے پرہیز کرے جو متہمین یا مبتدعین سے مروی ہوں۔)

- اس کے بعد امام مسلمؒ مذکورہ بالا آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
- ”فدل بما ذكرنا من هذه الآي أن خبر الفاسق ساقط غير مقبول وأن شهادة غير العدل مردودة“ (۳۷)
- (ہماری ذکر کردہ آیات میں اس بات کی دلیل ہے کہ فاسق کی خبر ساقط اور غیر مقبول ہے اس طرح غیر عادل کی گواہی مردود ہے۔) (۳۸)
- مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں قرآن حکیم نے واقعات اور اخبار کی صحت کیلئے درج ذیل اصول دیے ہیں:
- 1- قبول اخبار و واقعات میں احتیاط اور تحقیق و تفتیش سے کام لیا جائے اور کوئی واقعہ، خبر اس وقت تک قبول نہ کی جائے جب تک وہ تحقیق کی کسوٹی پر پورا نہ اترتی ہو۔
 - 2- یہ کہ ناقلین و رواۃ صفت عدل سے متصف ہوں۔

✽ نقد رجال: سنت مطہرہ کی روشنی میں

- آپ ﷺ واقعات اور اخبار میں تثبت اور تحقیق سے کام لیا کرتے تھے مثلاً:
- ☆ واقعہ افک (۳۹) کے بارے میں آپ ﷺ نے ایک ماہ تک اس واقعہ کے تمام پہلو کا جائزہ لیا اور کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا۔ یہاں تک آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ حقیقت حال معلوم ہوئی۔
- ☆ آپ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: ”إنی رأیت الهلال“ (میں نے چاند دیکھا ہے)۔ تو آپ ﷺ نے بغیر غور و خوض کیے فوراً اس کی بات کو نہیں مانا بلکہ فرمایا: ”أتشهد أن لا إله إلا الله؟“ (کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟) بدوی نے جواب دیا جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے مزید تسلی و تشفی اور اطمینان قلب کیلئے پوچھا: ”أتشهد أن محمداً رسول الله؟“ (کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟) اعرابی نے اثبات میں جواب دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں منادی کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ (۴۰) اس حدیث میں آپ ﷺ نے تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد حکم ارشاد فرمایا۔
- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

((استأذن رجل على رسول الله ﷺ فقال ائذنوا له بنس أخو العشيرة
أو ابن العشيرة فلما دخل الآن له الكلام قلت يا رسول الله ﷺ قلت
الذي قلت ثم ألفت له الكلام قال أي عائشة إن شر الناس منزلة يوم
القيامة من تركه الناس أو ودعه الناس اتقاء فحشه)) (۴۱)

(ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے آنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اجازت دی جائے۔ جب وہ شخص داخل ہوا تو آپ ﷺ نے نرم لب و لہجہ میں اس سے بات کی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فلاں فلاں بات کہی، پھر آپ ﷺ نے اس سے نرم لہجہ میں کلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ قیامت کے دن لوگوں میں سے سب برا مرتبہ اس شخص کا ہوگا جسے لوگ اس کی فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔)

خطیب بغدادی نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کے عادل ہونے یا نہ ہونے کا حکم لگاتے تھے۔ (۴۲) اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”وهذا الحديث أصل في المداراة وفي جواز غيبة أهل الكفر والفسق وغيرهم“ (۴۳)

(یہ حدیث مدارات اور کافرو فاسق کی غیبت کرنے کے جواز میں اصل و بنیاد ہے۔) حدیث فاطمہ بنت قیس (۴۴) میں ہے:

((أن معاوية بن أبي سفيان وأباجهم خطباني فقال رسول الله ﷺ أما ابوجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه و أما معاوية فصعلوك)) (۴۵)

(مجھے معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے شادی کا پیغام بھیجا ہے تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے ابوجہم تو ہمیشہ اپنے دست میں لاٹھی تھامے رکھتا ہے (یعنی عورتوں کو مارتا رہتا ہے) اور معاویہ بن نان و نفقہ سے خالی ہے (یعنی ضروریات زندگی ادا نہیں کر سکتا)۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((إن عبد الله رجل صالح)) (۴۶) (بے شک عبداللہ صالح آدمی ہیں)

ان احادیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ نے تحقیق و تثبت سے کام لیا۔ نیز آپ ﷺ کسی بھی شخص کے عادل یا غیر عادل ہونے کا حکم لگاتے تھے۔

نقد رجال میں صحابہ کرامؓ کا طرز عمل:

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کسی نے راوی کی میراث کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے کتاب و سنت میں اس بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں ملا پھر لوگوں سے سوال کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا کہ راوی کو چھٹا حصہ ملنا چاہیے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسا ہی مروی ہے حضرت ابوبکرؓ نے اس پر گواہ

طلب کیا تو محمد بن مسلمہ نے اس کی گواہی دی۔ (۴۷)

اسی طرح حضرت عمرؓ بھی احادیث کے سلسلہ میں محتاط واقع ہوئے تھے۔ (۴۸) امام ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ”وہو الذی سنن للمحدثین الثبت فی النقل و ربما کان یتوقف فی خبر الواحد إذا ارتاب“ (۴۹) آپ ہی ہیں جنہوں نے نقل حدیث میں ثبوت کو محدثین کے لیے جاری کیا اور جب کبھی خبر واحد کے متعلق شک ہوتا تو توقف فرماتے۔ حضرت علیؓ جب کسی سے حدیث سنتے تو یقین کرنے کے لیے حلف لیتے تھے۔ (۵۰)

صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ اپنے ساتھی صحابہ کرامؓ کو حدیث کے معاملے میں متہم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایسا صرف احتیاط کی غرض سے کرتے تھے۔

علم الجرح والتعديل کا آغاز و اہمیت

حدیث کے رواۃ جب تک صحابہ کرامؓ تھے اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ عادل، انصاف پسند، سچے اور حدیث میں انتہائی محتاط واقع ہوئے تھے۔ کبار تابعین بھی اپنے علم و تقویٰ کی روشنی میں ہر جگہ لائق قبول سمجھے جاتے تھے لیکن جب سے مختلف فتن کا ظہور ہوا، بدعات شروع ہوئیں جھوٹی احادیث وضع کی جانے لگیں تو اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ رواۃ کی جانچ پڑتال (Scrutiny) کی جائے۔

ان فتنوں کا آغاز پہلے کوفہ جہاں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ کے علمی مراکز تھے، وقوع پذیر ہوا حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اٹھ آیا اور اس سیاسی گردہ بندی سے حضرت علیؓ کے حلقے میں بہت سے غلط قسم کے لوگ شامل ہو گئے جو آپ کی زندگی میں ان اختلافات کو دینی رنگ نہ دے سکے، تاہم آپ کی وفات کے بعد انہوں نے بے سروپا باتیں کہنا شروع کر دیں اور انہیں آپ کی طرف منسوب کیا اس ورطہ شبہات میں انہوں نے دین اسلام کے بنیادی تصور کو بدلنے کی بھرپور سعی لا حاصل کی۔ اس وقت سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ حدیث بیان کرنے والوں کے حالات کی چھان پھٹک کی جائے ان میں ثقہ اور کمزور، سچے اور جھوٹے، ضابط اور غافل، عادل اور فاسق کے مابین خط امتیاز کھینچا جائے کیونکہ دین اسلام کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ تحقیق و تنقیح کے بغیر نہ لیا جائے۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نے قرآن، سنت نبویؐ اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں رواۃ (حدیث) کی معرفت حاصل کی، ان کی زندگی کے ہر لمحہ کو محفوظ کیا، ان میں سے صادق، کاذب کے مابین امتیاز کیا۔ اور اس میں انہوں نے کسی کی ملامت، رشتہ داری کا خیال نہیں رکھا اور اس کام کو کار ثواب

سمجھا اور سب کچھ انہوں نے اس لئے کیا وہ صحیح اور جھوٹی احادیث میں امتیاز کر سکیں تاکہ کوئی جھوٹا منافق یا ملحد شخص احادیث میں جھوٹ کی آمیزش نہ کر سکے۔ محدثین کرام نے حدیث کے حوالے سے رجال پر نقد و جرح کے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ اور تعدیل و ترجیح رجال (Soundness of naraters) کے معیارات قائم کیے۔ خبر دینے والی کی ثقاہت اور غیر جانبداری (Authenticity and natralety) اور اس کے انداز معروضیت (Objectivity) کے اصول متعارف کرائے علماء جرح و تعدیل نے اس علم کی ضرورت و اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے رواۃ حدیث کی جانچ پرکھ کا نہایت اہتمام کیا اور ان کے حالات کو باریک بینی میں اس انداز سے جمع کیا کہ ثقہ اور غیر ثقہ راویوں کے مابین امتیاز کر دیا۔

اس علم کی اہمیت کے پیش نظر امام ابن ابی حاتم رازی رقمطراز ہیں:

”کتاب اللہ اور سنت رسول کی معرفت کے لئے اس امر کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم ناقلین و راویان حدیث میں عادل و ثابت (پختہ) اور ثقہ راویوں اور غافل، کمزور حافظہ اور جھوٹے راویوں کے مابین امتیاز و فرق کر لیں چونکہ دین (اسلام) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے راویوں کے نقل کے ذریعہ سے ہی ہم تک پہنچا ہے لہذا اب ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم راویوں کے احوال و حالات کی آگاہی حاصل کریں۔“ (۵۱)

اس علم کی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے حدیث کی صحت اور اس کے ضعف کو ماننے کے لئے جہاں تحقیق و تثبت سے کام لیا اور حدیث کے لئے راویان حدیث کے احوال کو جاننے کے لئے علم جرح و تعدیل پر بھرپور کلام کیا۔ امام سخاوی فرماتے ہیں:

”وتكلم في الرجال كما قاله الذهبي جماعة من الصحابة ثم من التابعين كالشعبي و ابن سيرين ولكنه في التابعين بقلة لقللة الضعف في متبوعيههم إذ أكثرهم صحابة عدول و غير الصحابة من المتبوعين أكثرهم ثقات ولا يقاد يوجد في القرن الأول الذي انقضى فيه الصحابة و كبار التابعين ضعيف إلا الواحد بعد الواحد كما الحارث الأعور والمختار الكذاب“ (۵۲)

(امام ذہبی کے قول کے مطابق صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے رجال (حدیث) کے بارے میں کلام کیا ہے پھر تابعین میں سے شعبی، ابن سیرین نے کلام کیا ہے لیکن تابعین نے رجال کے بارے میں بہت کم کلام کیا ہے کیونکہ ان کے پیش

کاروں میں ضعف قلیل تھا اکثر صحابہ کرامؓ عدول تھے اور غیر صحابہؓ میں سے اکثر لوگ ثقہ تھے۔ پہلی صدی ہجری میں جس میں صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین اکا دکا ہی ضعیف راوی تھے مثلاً حارث الأعور اور مختار الکذاب۔)

امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

”ثم أخذ مسلکهم و استن بسنتهم و اهتدی بهدیهم فیما استنوا من التیقظ فی الروایات جماعة من أهل المدينة من سادات التابعین منهم سعید بن المسیب والقاسم بن محمد بن ابی بکر (۵۳) و سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ (۵۴) و علی بن الحسین بن علی (۵۵) و ابو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف (۵۶) و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ (۵۷) و خارجه بن زید بن ثابت (۵۸) و عروہ بن الزبیر و ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام (۵۹) و سلیمان بن یسار (۶۰) فجدوا فی حفظ السنن و الرحلة فیها و التفتیش عنها و التفقه فیها“۔ (۶۱)

(صحابہ کرامؓ نے روایات کے نقل کرنے میں جو احتیاط برتی تھی وہی اہل مدینہ کے کبار تابعین نے اختیار کی ان میں سے سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبد اللہ، علی بن الحسین بن علی، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، عبید اللہ بن عبد اللہ، خارجه بن زید، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسار تھے جنہوں نے احادیث کی حفاظت کیلئے بہت کوشش کی اور اس میں تفقہ اور اس میں تحقیق و تثبیت کرنے کے لئے سفر کیے۔)

اس لئے محدثین کرام نے حضرت علیؓ کی وہی مرویات قابل اعتماد سمجھیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ کے واسطے سے آئیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں:

”لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث منه إلا من أصحاب عبد اللہ بن مسعود“ (۶۲)

(حضرت علیؓ کی وہی احادیث قابل قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ سے منقول ہوں۔)

ابو اسحق سمیع فرماتے ہیں:

”لما أحدثوا تلك الأشياء بعد علي قال رجل من أصحاب علي قاتلهم الله أي علم أفسدوا“ (۶۳)

(جب انہوں (بدعتیوں) نے حضرت علیؑ کے بعد ان بدعات کو پیدا کیا تو حضرت علیؑ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں (بدعتیوں) کو عارت کرے۔ انہوں نے کتنا علم (حضرت علیؑ کا) ضائع کر دیا۔)

امام ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب یہ فتنہ برپا ہوا تو علماء کرام نے طے کیا: ”سموا لنا رجالکم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم“ (۶۴) (تم اپنے رواۃ (حدیث) کے نام بتاؤ دیکھا جائے گا اہل سنت کون ہیں انہی کی احادیث لی جائیں گی اہل بدعت کا پتہ لگایا جائے گا اور ان کی احادیث نہیں لی جائیں گی۔)

امام شعبی کا قول ہے: ”والله لو أصبت تسعا وتسعين مرة وأخطأت مرة لعدوا علي تلك الواحدة“ (۶۵) (بخدا اگر میں ننانوے مرتبہ بھی صحیح بات تک رسائی حاصل کر لوں اور صرف ایک بار مجھ سے غلطی سرزد ہو جائے تو وہ (حاسدین) میری اس غلطی ہی کو شمار کریں گے۔)

امام ابن سیرین کا قول ہے: ”إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذونہ“ (۶۶) (بیشک یہ علم (حدیث) دین ہے۔ لہذا جن لوگوں سے تم اسے اخذ کرتے ہو اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لو۔)

امام شعبی فرماتے ہیں: ”حدثني الحارث الأعور الهمداني و كان كذابا“ (۶۷) (مجھے حارث الأعور الهمدانی نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔)

ائمہ جرح و تعديل:

جیسا کہ پہلے ہم معلوم کر آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک کثیر تعداد نے تثبت کے لیے جرح و تعديل فرمائی ہے ویسے تو بڑے بڑے محدثین نے راویوں پر کلام کیا ہے لیکن جو حضرات اس موضوع پر زیادہ مشہور ہوئے اور جنہیں اس فن کا امام کہا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

- | | |
|-------------------------------------|-----------------------------------|
| ۱۔ امام شعبہ بن الحجاج (۱۲۰ھ) | ۲۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) |
| ۳۔ امام مالک (۱۷۹ھ) | ۴۔ امام عبد اللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) |
| ۵۔ امام سفیان بن عیینہ (۱۹۷ھ) | ۶۔ امام کعب بن الجراح (۱۹۷ھ) |
| ۷۔ امام یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) | ۸۔ امام عبد الرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) |

- ۹۔ امام یحییٰ بن معین (۲۲۳ھ) ۱۰۔ امام علی بن مدینی (۲۳۴ھ)

شروط جرح و تعديل:

محدثین نے قبول تعديل کے لیے چار شرائط لازمی قرار دی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ معدل (تعديل کرنے والا) عادل ہو۔
- ۲۔ معدل بیدار مغز ہو۔
- ۳۔ معدل کو اسباب تعديل سے واقفیت ہو۔
- ۴۔ معدل متقی ہو۔

جبکہ قبول جرح کی پانچ شرائط ہیں۔ اول الذکر پہلی تین شرائط وہی ہیں۔ (یعنی جارج (جرح بیان کرنے والا) عادل ہو، بیدار مغز ہو۔ اسباب جرح سے واقف ہو۔ دو مزید یہ ہیں۔

- ۱۔ جارج اسباب جرح کو بیان کرنے والا ہو۔
- ۲۔ جن ائمہ کی عدالت حد تو اتر کو پہنچتی ہیں ان پر جرح غیر مقبول ہوگی۔

الغرض محدثین کرام نے اس فتنہ (وضع حدیث) کا قلع قمع کرنے میں جہاں حدیث کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں ”علم الاسناد“ کو لازمی قرار دیا۔ اور راویان حدیث کو جانچنے کیلئے تحقیق و تثبت کی بنیاد ڈالی، وہاں ”علم اسماء الرجال“ اور ”علم الجرح والتعديل“ جیسے عظیم الشان علوم بھی ایجاد کئے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

- (۱) ابن حجر، مقدمہ الإصابہ فی تمیز الصحابہ، ص: ۱۳ (۲) مزی، تہذیب الکمال، ص: ۱۶۵/۱
- (۳) ابن الأثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، ص: ۲۵۵/۱ (۴) الشافعی، دیوان الشافعی، ص: ۵۱
- (۵) ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، باب العجماء والمعدن والبطر جبار، حدیث نمبر ۴۵۹۳، ص: ۶۴۹
- (۶) البلیاوی، مصباح اللغات، ص: ۱۰۷ (۷) ابن منظور، لسان العرب، ص: ۴۲۲/۲
- (۸) لسان العرب، ص: ۴۲۲/۲ (۹) الأنعام: ۶۰/۶
- (۱۰) صحیحی صالح، أصول الحدیث، ص: ۲۶۰ (۱۱) لسان العرب، ص: ۴۲۲/۲
- (۱۲) البلیاوی، مصباح، ص: ۵۳۷
- (۱۳) لسان العرب، ص: ۴۳۲/۱۱، البلیاوی، مصباح، ص: ۵۳۷
- (۱۴) لسان العرب، ص: ۴۳۱/۱۱ (۱۵) ابن حزم، الإحکام، فی اصول الإحکام، ص: ۱۴۵/۱
- (۱۶) الخطیب، الکفایہ، ص: ۱۰۱، ۱۸۱ (۱۷) القنوجی، أبجد العلوم، ص: ۲۱۱/۲
- (۱۸) القنوجی، المخطیۃ فی ذکر صحاح الستہ، ص: ۸۹
- (۱۹) الرازی، مقدمہ کتاب الجرح والتعديل، ص: ۲ (۲۰) الحجرات: ۶/۴۹
- (۲۱) اشوکانی، فتح القدیر، ص: ۶۰/۵ (۲۲) القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ص: ۳۱۲/۱۶
- (۲۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص: ۲۰۸/۴
- (۲۴) حارث خزاعی جب مسلمان ہوا تو اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا اپنی قوم کے مسلمانوں کی زکوٰۃ جمع کر کے رکھوں گا۔ آپ کا نمائندہ آکر مجھ سے وہ مال وصول کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عتبہ بن ابی معیط کو اس کام کے لئے بھیجا۔ لیکن وہ راستہ سے ہی واپس آگیا، اور آپ ﷺ کو کہہ دیا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، وہ جھوٹا تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، ابن کثیر، تفسیر القرآن، ص: ۲۰۹/۴۔ امام بغوی نے اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں چند اور روایات بیان کی ہیں۔ البغوی، معالم التنزیل، ص: ۴۶۶/۱
- (۲۵) النساء: ۹۴/۴ (۲۶) الجامع لأحكام القرآن، ص: ۳۳۸/۵
- (۲۷) النساء: ۸۳/۴ (۲۸) تفسیر القرآن العظیم، ص: ۵۲۹/۱
- (۲۹) منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی سلول نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کے خلاف افتراء پردازی کرتے ہوئے ان پر صفوان بن معطل انصاری کے ساتھ گناہ کا اتہام لگایا تھا۔ تفسیر القرآن العظیم،

ص: ۳/۲۶۸، الخازن، تفسیر الخازن، ص: ۳/۳۳۹

(۳۰) النور: ۱۱/۲۳ (۳۱) النور: ۱۲/۲۳ (۳۲) النور: ۱۵-۱۶

(۳۳) محدثین کی اصطلاح میں عادل کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو فرائض کو ادا کرتا ہو اور امر کو بجالاتا ہو اور نواہی سے پرہیز کرے، اور بے ہودہ گوئی سے تہی پہلو کرنے اور ایسے کاموں سے بچے، جس سے اس کا دین خراب ہوتا ہو اور نہ ہی مروت کی خلاف کوئی کام کرے۔ الخطیب، الکفایۃ، ص: ۱۳۹

(۳۴) الطلاق: ۲/۶۵ (۳۵) المائدۃ: ۱۰۶/۵

(۳۶) مسلم، مقدمۃ الصحیح، باب وجوب الروایۃ عن الثقات و ترک الکذابیین، ص: ۷

(۳۷) مقدمۃ الصحیح، باب وجوب الروایۃ عن الثقات و ترک الکذابیین، ص: ۷

(۳۸) یہاں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ شہادت کی آیت کریمہ سے فاسق و فاجر کی خبر کو قبول نہ کرنے پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے؟ حالانکہ شہادت اور خبر کے احکام میں فرق ہے۔ امام مسلم اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”والخبر إن فارق معناه معنى الشهادة في بعض الوجوه فقد يجتمعان في أعظم معانيها إذ كان خبر الفاسق غير مقبول عند أهل العلم كما أن شهادته مردودة عند جميعهم“ (خبر بعض اعتبار سے اگرچہ گواہی سے جدا ہے لیکن دوسری بڑی وجہ کے اعتبار سے خبر اور شہادت میں اتفاق ہے کیونکہ فاسق کی خبر علماء کے نزدیک غیر معتبر ہے جیسے اس کی شہادت بالاتفاق مردود ہے۔) (المسلم، مقدمۃ الصحیح، باب وجوب الروایۃ عن الثقات، ص: ۷)

علامہ جلال الدین السيوطی نے خبر اور شہادت کے اکیس وجوہ فرق ذکر کیے ہیں۔ دیکھئے: السيوطی، تدریب الراوی، ص: ۱/۳۳۱

(۳۹) تفصیل کے لئے دیکھئے: البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضا، حدیث نمبر ۲۶۶۱، ص: ۴۳۱، الصحیح، کتاب التوبة، باب في حديث الإفك، حدیث نمبر ۷۰۲۰، ص: ۱۲۰۵

(۴۰) ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، حدیث نمبر ۲۳۴۰، ص: ۳۴۱

(۴۱) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب ما يجوز من اغتياب أهل الفساد والريب، حدیث نمبر ۶۰۵۴، ص: ۱۰۵۷، الصحیح، کتاب البر والصلة والاداب، باب مداراة من يتقى فحشه، حدیث نمبر ۶۵۹۶، ص: ۱۱۳۲، کتاب حسن الخلق، باب ما جاء في حسن

الخلق، حدیث نمبر ۴، ص: ۳۲۴

- (۴۲) الکفایہ، ص: ۸۳ (۴۳) ابن حجر، فتح الباری، ص: ۳۷۳/۱۰
- (۴۴) جب انہیں ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے طلاق دے دی تو آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا ”ان کے ذمہ تمہارا نان و نفقہ نہیں ہے“ اور آپ ﷺ نے انہیں عبد اللہ بن اُم مکتوم کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا جب عدت پوری ہو جائے تو مجھے بتلانا چنانچہ جب عدت پوری ہو گئی تو حضرت فاطمہ بنت قیس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ انہیں نے بتایا ”إن معاویة.....“
- (۴۵) الصحیح، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث نمبر ۳۶۹۷، ص: ۶۳۹
- (۴۶) ابن جنبل، المسند، ص: ۵/۲ (۴۷) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص: ۳/۱
- (۴۸) حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا واقعہ اذن دیکھئے تذکرۃ الحفاظ، ص: ۳/۱
- (۴۹) تذکرۃ الحفاظ، ص: ۲/۱ (۵۰) الوزیری، المانی، الروض الباسم، ص: ۱۰۲/۱
- (۵۱) الرازی، الجرح والتعديل، ص: ۲۷ (۵۲) السخاوی، فتح المغیث، ص: ۳۱۸/۲
- (۵۳) آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ مدینہ کے سات فقہاء میں سے تھے اور تابعی تھے۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۸۷/۵، حلیۃ الاولیاء، ص: ۱۸۳/۲، الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص: ۹۶/۱، الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص: ۵۳/۵
- (۵۴) ثقہ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۳۷ھ کو پیدا ہوئے۔ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ احمد اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک سب سے صحیح ترین سند الزہری عن سالم عن ایبہ ہے۔ ۷۰ھ کو وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ، ص: ۸۸/۱، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ص: ۴۳۶/۳، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۱۹۵/۵، الرازی، الجرح والتعديل، ص: ۱۸۴/۲
- (۵۵) آپ زین العابدین کے لقب سے مشہور تھے۔ ۳۸ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ ثقہ، عابد اور ثقہ تابعی تھے۔ حلم اور تقویٰ میں آپ ضرب المثل تھے۔ امام زہری کا بیان ہے: ”ما رأیت قرشیاً أفضل من علی بن الحسین“ (میں نے علی بن الحسین سے افضل کوئی قریش میں نہیں دیکھا)۔ آپ ۹۴ھ کو فوت ہوئے۔ الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۵۶/۵، تہذیب التہذیب، ص: ۳۰۵/۷، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ص: ۲۶۶/۳۔
- (۵۶) آپ ثقہ تابعی ہیں۔ ابن سعد کا بیان ہے: ”کان ثقة فقیہا کثیر الحدیث“ آپ ثقہ، فقیہ اور کثیر حدیث والے تھے۔ آپ ۹۴ھ کو فوت ہوئے۔، الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۵۵/۵، الذہبی، الکشف،

- ص: ۳۲۲/۳، تہذیب التہذیب، ص: ۱۱۵/۱۲، سیر أعلام النبلاء، ص: ۲۸۷/۴
- (۵۷) آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی جلیل القدر ثقہ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فقہاء عشرہ اور فقہاء سبعہ میں سے تھے جن پر فتویٰ کا دار و مدار تھا۔ ۹۲ھ کو فوت ہوئے۔ البخاری، التاريخ الكبير، ص: ۳۸۵/۳، الجرح والتعديل، ص: ۳۱۹/۲، تہذیب التہذیب، ص: ۲۳/۷، التقریب، ص: ۵۳۵/۱
- (۵۸) آپ کی کنیت ابو زید تھی۔ ۲۹ھ کو پیدا ہوئے۔ مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے جبکہ امام احمد اور امام الدارقطنی نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ ۹۹ھ کو فوت ہوئے۔ البخاری، التاريخ الكبير، ص: ۲۰۴/۲، الرازی، الجرح والتعديل، ص: ۳۷۴/۱، الذہبی، میزان الاعتدال، ص: ۶۲۵/۱، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ص: ۷۶/۳
- (۵۹) آپ فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ ابن سعد کا قول ہے: ”كان ثقة فقيها عالما عاقلا غالبا سخيا كثير الحديث“ آپ ثقہ، فقیہ، عالم، عاقل اور کثیر حدیث والے تھے۔ الطبقات الکبریٰ، ص: ۲۰۷/۵، الجرح والتعديل، ص: ۳۳۷/۴، تہذیب التہذیب، ص: ۳۰/۱۲، التقریب، ص: ۳۹۸/۲
- (۶۰) آپ کی کنیت ابو ایوب ہے۔ ۳۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کا شمار مدینہ کے سات فقہاء میں سے ہوتا ہے۔ ثقہ، فقیہ اور کثیر حدیث والے تھے۔ ۷۰ھ کو وفات پائی۔ ابن خلکان، وفيات الأعيان، ص: ۳۳۳/۲، تہذیب التہذیب، ص: ۲۲۸/۴، التقریب، ص: ۲۱/۱
- (۶۱) ابن حبان، الجرح وین، ص: ۳۸/۱
- (۶۲) مقدمة الصحيح، باب النهی عن الرواية عن الضعفاء، حدیث نمبر ۲۵، ص: ۱۰
- (۶۳) مقدمة الصحيح، حدیث نمبر ۲۴، ص: ۱۰ (۶۴) مقدمة الصحيح، حدیث نمبر ۲۷، ص: ۱۱
- (۶۵) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص: ۸۲/۱ (۶۶) المسلم، مقدمة الصحيح، حدیث نمبر ۲۶، ص: ۱۰
- (۶۷) المسلم، مقدمة الصحيح، حدیث نمبر ۴۴، ص: ۱۳